

تیسرا روز وہ کہیں تھکراتا ہیں ڈوبا ہوا اپنے دل کو سمجھا رہا تھا۔ کیا دنیا میں ہر فر
میری ہی ماں مری ہے؟ سو تسلی مائیں تو سمجھی اس قسم کی ہوتی ہیں، میرے ساتھ کوئی نئی بات
نہیں ہو رہی ہے۔ اب مجھے مردود کی طرح دونی محنت سے کام کرنا چاہئے۔ جیسے ماں باپ راضی
ہوں۔ ویسے انھیں راضی رکھنا ملے ہے۔ اس سال اگر دنیفہ مل جیا تو مجھے گھر سے کچھ لینے کی فروخت
ہی نہ رہے گی۔ کتنے ہی لڑکے اپنے مل بوتے پر بڑے بڑے خطابات حاصل کر لیتے ہیں مشکلات
پر فتح پانیا اور موقع دیکھ کر کام کرنا ہی انسانوں کا فرض ہے، قسمت کے نام پر روئے اور
کوئنے کے کیا ہو گا؟

انتے میں جیارام اگر کھڑا ہو گا۔ نصارام نے پوچھا۔ گھر کا کیا حال ہے، جیا؟ نئی اماں تو
بہت خوش ہوں گی؟

جیارام؟ ان کے دل کا حال تو میں نہیں جانتا۔ لیکن جب سے تم آئے ہو، انھوں نے ایک
وقت بھی کھانا نہیں کھایا۔ جب دیکھوڑ دیا کرتی ہیں۔ جب بابو جی آتے ہیں، تب البتہ منہ میں ملکتی ہیں۔
تم پڑھ آئے تو میں نے بھی شام کو اپنی کتابیں لٹھیک کیں۔ یہیں تھا رے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔
جنگی چڑیلی نے جا کر ماں جی سے کہہ دیا بابو جی بھٹھے تھے کہ ان کے سامنے جی اماں جی نے اگر میری
کتابیں جھینیں لیں اور روکر بولیں تم بھی چلے جاؤ گے تو اس گھر پر کون رہے گا؟ اگر میرے سبب
تم لوگ گھر جھوڑ جھوڑ کر بھاگ کے جا رہے ہو تو لو، میں ہمیں پلی جاتی ہوں۔“ میں تو جھبلا یا ہو رہا
ہی سمجھ رکر بولا، آپ کیوں کہیں جلی جائیں گی؟ آپ کا تو گھر ہے، آپ آرام سے رہیے! غیر تو ہیں
لوگ ہیں۔ ہم نہ رہیں گے۔ تب تو آپ کو آرام رہے گا۔“

نصارام نے خوب کہیں، بہت اچھا کیا۔ اس پر اور بھی مجھی ہوں گی اور جا کر بابو جی
سے شکایت کی ہو گی؟“

جیارام؟ نہیں یہ کچھ نہیں ہوا۔ یہ پر ملبوخ کر رونے لگیں۔ مجھے بھی روائی آگئی۔
میں بھی روپڑا۔ تب انھوں نے آنکھ سے ببرے آنسو بند پکھے اور بولیں۔ جیا میں ایشور کی سامنی
دے کر کہتی ہوں کہ میں نے تھا رے بھیا کے بارے میں تھا رے بابو جی سے ایک لفظ بھی نہیں
کہا۔ میرے بھاگ میں کہا ہوا ہے وہ بھوگ رہی ہوں۔ پھر اور نہ جانے کیا کیا کہا جو
میری بمحض میں نہیں آیا۔ کچھ بابو جی کی بات تھی؟

نصارام نے بے صبری سے پوچھا: ”بابو جی کے بارے میں کیا کہا؟ کچھ یاد ہے؟“
جیارام: ”بایس تو بھی، مجھے یاد نہیں آتیں۔ میری یادو اشت کون بڑی اچھی ہے۔ مگر
ان کی باتوں کا مطلب کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھیں بابو جی کو خوش رکھنے کے لیے رسائیں

بھرنا پڑ رہا ہے۔ نہ جانے آدھرم دھرم کیسی باتیں کرتی تھیں جو میں بالکل زمینہ سکا۔ مجھے تو اب اس کا یقین ہو گیا ہے کہ ان کی مرضی تمہیں بیان کھینچنے کی نہ تھی؟ منصار ام: تم ان حوالوں کا مطلب نہیں سمجھ سکتے، بہری گھری چالیں ہیں ॥ جیارام: تمہاری سمجھ میں ہوں گی، میری سمجھ میں تو نہیں ہیں ॥

منصار ام: جب تم جیو میری نہیں سمجھ سکتے تو ان باتوں کو کیا سمجھو گے۔ اس رات کو جب مجھے کھانا کھانے کے لیے بلانے آئی تھیں۔ اور میں ان کے اصرار پر جانے کو تباہی ہو گیا تھا۔ اس وقت با بوجی کو دیکھتے ہی انہوں نے جور نگ بدلادہ کیا ہیں کبھی بھول سکتا ہوں؟ جیارام: یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ ابھی کل ہی میں بیاں سے گی۔ تو میں تمہارا معامل پوچھنے میں لے کھا دہ کہتے تھے کہ اب تک جیسا کہ اس گھر سا قدم نہ رکھوں گا۔ میں نے کچھ جھوٹ تو کہا ہیں کیوں کہ تم نے مجھ سے ایسا ہی کہا تھا اتنا کہا تھا کہ پچھوت پھوت کر ردنے لگیں۔ میں دل میں بہت پچھتا یا کہ کہا سے میں نے یہ بات کہہ دی بار بار یہی ہتھی تھیں کہ کیا دہ میرے کار ان گھر چھوڑ دیں تھے؟ مجھ سے اتنے ناراضی ہیں، چلتے گئے اور مجھ سے ملے ہیں نہیں۔ کیا تباہی کا نہ یہ کہ نہیں کہے ہے میں کیا تباہی کیس مصیبت میں ہوں، اتنے میں با بوجی آگئے۔ بس نوراً آفس پوچھ کر مسکر انہوں ان کے پاس چل گئیں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی۔ ان مجھ سے بڑی منت کشی ان کو ساختہ لیتے آئی۔ آج میں تمہیں کھٹک ترے چپوں کا۔ وہ دو دن میں گستی دہلی ہو گئیں میں۔ میں یہ زیکھ کر ان پر حرم آئے گا تو پلے گئے رہے؟

منصار ام نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے پیر کا پرستہ تھے۔ جیارام تو حانہ رنگ کھینچنے کر بھاگا مسخر دہ پر اپنے گھریا۔ اور اپنی گھر تی ساس لگو یا بہت دیرے سے اس نے سانس نہیں لی تھی۔ اس کی زبان تے دل ہمدردی ہیں ڈوبے ہوئے الفاظ نکلے۔ ہم کے ایشور! اس خلماں کے سوا اسے اب اپنی زندگی میں کوئی یار و مددگار نہ لظر آتا تھا۔ اس فقرت میں کتنی ماں وسی اکتا درد، کتنی وقت، کتنی عاجزی بھری ہوئی تھی، اس کا کون اندازہ گر سکتا ہے؟ اب سارا بھید اس کی سمجھ میں آرہا تھا اور بار بار اس کے درد بھرے دل سے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔

ہائے ایشور! اتنا بڑا اکلنگ!

کیا زندگی میں اس سے سخت تر مصیبت کا قیاس کیا جا سکتا ہے؟ کیا دنیا میں اس سے زیادہ کمیہ پن کا خیال ہو سکتا ہے؟ آنکھ کسی باپ نے اپنے بیٹے پر اتنا بڑا اکلنگ نہ لگایا ہو گا، جس کے چال میلن کی سمجھی تعریف کرتے تھے، جو دوسرے اڑکوں سے لیے معاشر سمجھا جاتا تھا، جس نے کبھی ناپاک ارادوں کو اپنے پاس نہیں پھٹک نہ دیا تھا۔ اسی پر یہ سنگین

از امام انصار امام کو ایسا معلوم ہوا۔ جو یا اس کا دل حق ہوا جاتا ہے۔ دوسری گھنٹی بھی بج گئی۔ لڑکے اپنے اپنے کردوں میں گئے۔ مگر انصار امام تھیلی پر سر رکھے بلاپک جھیکا ہے ہوئے زمین کی طرف ناکہ مر پا جھا۔ جو یا اس کا سب کچھ پانی میں ڈوب گیا ہو، گویا وہ کسی کو منہ نہ دکھا سکتا۔ بوسکوں میں غیر حاضری ہو جائے گی، جو رمانہ ہو جائیگا۔ اس کی اسے فکر نہیں۔ جب اس کا سب کچھ لٹ گیا۔ تو اب ان ذرا ذرا اسی باتوں کا کہا خوف نہ استابر اکٹک لگنے پر بھی اگر بیتار ہوں تو میرے صینے پر لعنت ہے۔

اس رنج و غم کی حالت میں وہ پلا اٹھا۔ ماتا جی تم کہاں ہو، تمہارا بیٹا جس پر تم جان قی تھیں، آج سخت مصیبت میں ہے، اسی کا باپ اس کے حلق پر چھری پھیر رہا ہے۔ ہائے تم کہاں ہو؟ منصار امام پھر ٹھنڈے دل سے سوچنے لگا۔ مجھ پر یہ شبہ کیوں ہو رہا ہے، اس کا کیا سبب ہے؟ مجھ میں ایسی کوئی بات انہوں نے دیکھی جس سے انھیں یہ شبہ ہوا ہو؟ وہ میرے باپ میں، میرے دشمن نہیں ہیں۔ جو خواہ مخواہ مجھ پر از امام عائد کریں۔ فرور انہوں نے کوئی نہ کوئی بات دیکھی یا سنی ہے۔ ان کا مجھ پر گستاخ پایا رہا۔ میرے بغیر کھانے نہ جاتے تھے۔ وہی میرے دشمن ہو جائیں، یہ بات بلا سبب نہیں ہو سکتی۔

اچھا اس کتاب کی ابتداء اس دن ہوئی؟ مجھے بورڈنگ ہاؤس میں ٹھہرانے کی بات تو پچھلے ہے۔ جسی دن رات کو وہ میرے کمرے میں اُکر ریا امتحان لیتے لگے تھے۔ اسی دن ان کے بیویوں یاں بدلتے ہوئے تھیں۔ اس دن ایسی کوئی بات ہوئی جو انھیں بر می لگی ہو؟ میں تھی اماں سے کچھ کھائے کو مانگنے لگا۔ بابو جی اس وقت وہاں میتھے تھے۔ ہاں اب بیاو آتا ہے۔ اسی وقت ان کا چہرہ نہ تھا۔ اسی دن سے تھی اماں نے مجھ سے ٹپڑھنا جھوڑ دیا تھا۔ اگر میں جاتا کہ میرا مگر زندگی کا جانا، اماں جی سے کچھ کہنا سنتا اور انھیں پڑھانا نالکھانا والد صاحب کو بہ الگتا ہے تو اچھے کیوں یہ نوبت آتی؟ اور تھی اماں؟ ان پر کیا بیت رہی ہوگی؟

نصار امام نے اب تک نر لالاں طرف توجہ نہیں کی تھی۔ نر لالا کا دھیان آتے ہی اسکے رو بگئے کھڑے ہو گئے۔ ہائے ان کا سادہ اور محبت بھرا دل بہ صدمہ کیسے برداشت کر سکے گا؟ آہیں کتنے دھوکے میں تھا؟ میں ان کی محبت کو فریب سمجھتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ انھیں والد صاحب کی بدگانی دور گرنے کے لیے میرے ساتھ اتنا کمزور ہوتا و کرن پڑتا ہے۔ آہ میں نے ان پر گستاخ پڑھا کر اپنے اسی عالت تو مجھ سے بھی ابتر ہور جی ہو گی۔ میں تو یہاں چلا آیا۔ مگر وہ کہاں جائیں گی؟ جیا کہتا تھا۔ کہ انہوں نے دروزتے کھانا نہیں کھایا۔ ہر دم رو یا کرتی ہیں۔ کیسے جا کر سمجھاؤں؟ وہ مجھ بد نصیب کے لیے کیوں اپنے سر پر مصیبت لے رہی ہیں؟ وہ کیوں بار بار

میرا عال پوچھتی ہیں جو کیوں بار بار مجھے بلاتی ہیں؟ کیسے کہہ دوں کہ اتنا تم سے مجھ کو ذرا بھی شکایت نہیں۔ تمہاری طرف سے میرا دل صاف ہے! وہ اب بھی مٹھی رو رہی ہوں گی۔ کتنا بڑا اندھیرا ہے؟ بالوں کو پکیا ہو گیا ہے جو کیا اسی لیے شادی کی تھی؟ ایک لڑکی ہلاک کرنے کی کیلئے اسے اپنے گھر لئے تھے؟ اس نازک بھول کو مسل ڈالنے کے لیے ہی توڑا لختا ہے؟ ان کا ادھار کیسے ہو گا؟ اس بے گناہ کامنہ کیسے اجلا ہوا۔ انھیں صرف میرے ساتھ یہ محبتانہ برتاؤ کرنے کے لیے یہ سزا دی جا رہی ہے۔ ان کی شرافت کا انھیں یہ صدمہ رہا ہے۔ میں انھیں اس طرح بیرحمانہ وار سب سے ہوئے دیکھو کر منہماں ہوں گا؛ اپنی عزت بچانے کے لیے نہ ہی، ان کی جان بچانے کے لیے مجھے اپنی زندگی کو قربانی کرنا پڑے گا۔ اس کے سوانحات کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ آہ دل میں کیسے کیسے دمانتاں ہیں اپنے خون سے اس داش کو رہو ڈالوں گا۔ اسی میں میرا اور تمہارا بھلائی ہے۔ وہ تمام دن انھیں خیالات میں محور ہا۔ شام کو اس کے دونوں بھانی آنکھوں پر پھیلانے کیلئے اصرار کرنے لگے۔

جیارام: "چلتے کیوں نہیں؟ میرے بھیا جی اپنے چلو نہ۔"

منسارام: "مجھے فرحت نہیں کہ تمہارے کہنے سے چلا جاؤں۔"

جیارام: "آخر کمل تو اتوار ہی ہے۔"

منسارام: "تو اکر کو بھی کام ہے۔"

جیارام: "چھا کمل آؤ گے تو؟"

منسارام: "نہیں، کل مجھے ایک بیچ میں جانا ہے۔"

جیارام: "اماں جی مو بگ کے لڈو بیار ہی میں، زحلو گے تو ایک بھی ز پاو گے۔ ... ہم تم مل کر کھا جائیں گے، جیسا انھیں ز دیں گے۔"

جیارام: "بھیا، اگر تم مل نہ گئے تو شاید اماں جی بھی ملی آؤں۔"

منسارام: "بیچ انھیں۔ ایسا کیوں کریں گی؟ سہاں آئیں تو ٹبری پر بیشان ہو گی۔ تم کہہ دیتا رہ کہیں بیچ دیکھنے کیے ہیں؟"

جیارام: "میں جھوٹ کیوں بولنے لگا؟ میں کہہ دوں گا، وہ منہ پھیلانے بیٹھتے دیکھ لیتا انھیں ساتھ لاتا ہوں گیں۔"

سیارام: "تم کہدیں گے کہ آج پڑھنے نہیں گئے پڑے سوتے رہے۔" منسارام نہ ان دونوں

سے کل کاد عدہ کرے گلا چھڑایا۔ جب دلوں چلے گئے تو پھر سوچ میں پڑ گیا۔ ساری رات اسے کروٹیں بدلتے گزری۔ تعجبیں کادون کی بھی ٹھیک ہی ٹھیک گز گیا۔ اسے نام دن کی خیال آتا رہا کہ اماں جی واقعی نہ جلی آؤں کسی گاڑی کی لہر کھڑا ہٹ سنتا تو اس کا دل دھڑکنے لگتا۔ کہیں آ تو نہیں گئیں۔

بورڈنگ باؤس میں چھوٹا سا ہسپتال تھا۔ ایک ڈاکٹر صاحب شام کے وقت ایک گھنٹہ کے لیے جایا کرتے تھے۔ اگر کوئی لڑکا ہمار ہوتا تو اسے دادا ہے۔ آج وہ اُتے تو منسaram پر کھڑ سوچتا ہوا اس کے پاس جایا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ منسaram کو خوبی جانتے تھے۔ اسے دیکھ کر تعجب سے بولے: ”یہ تمہاری کیا حالت ہے جی؟ تم ٹھلے سے جا رہے ہو۔ کہیں بازار کا چسکا تو نہیں پڑھی؟ آخر تھیں ہو اکیا؟ ذرا ایسا تو آؤ؟“

منسaram نے مسکر کر کہا: ”مجھے زندگی کا مرض ہے، آپ کے پاس اس کی بھی کوئی دوا ہے؟“ ڈاکٹر: ”میں تمہاری تشخیص کرنا چاہتا تھا ہوں۔ تمہاری تصورت ہی بدل گئی ہے پچھا لے بھی نہیں جاتے۔“

یہ کہہ کر انہوں نے منسaram کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور سیدنا، چٹھو، آنکھیں، زہان، سب ہاری باری دیکھیں۔ تب متوجہ ہو کر بولے: ”وکیل صاحب سے میں آج ہی ملوں گا۔ تمہیں وق ہو رہا ہے، سارے علامات اسی کے ہیں؟“

منسaram نے نہایت شوق سے درفیافت کیا۔ بھلا کتنے دنوں میں قصہ تمام ہو جائے گا، ڈاکٹر صاحب؟“

ڈاکٹر کیسی باتیں کرتے ہو، جی میں وکیل صاحب سے مل کر تمہیں کسی پہاڑی مقام پر بھجنیک رائے روٹکالا شور نے چاہا تو تم بہت عذر بحث پاجاؤ گے۔ بیماری ابھی ابتدا ہی مالت پھے۔“ منسaram: ”تب تو ابھی دو سال کی دری معلوم ہوتی ہے، میا انتظار نہیں کر سکتا۔ سنئے مجھے دق وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی شکایت ہی ہے۔ آپ بالو جی کو نا حق تردید میں نہ ڈالیے گا۔ اس وقت میرے سرپیں درد ہے، کوئی دوادیجی نہیں۔ کوئی دوا ایسی ہو جس سے نیند بھی آجائے مجھے دو ماں توں سے نیند نہیں آئی۔“

ڈاکٹر صاحب از ہر طی دواؤں کی الارمی کھوئی اور ایک ششی میں تھوڑی سی دوا لکھ کر منسaram کو دی۔ منسaram نے پوچھا: ”تو کوئی زہر ہے؟ بھلا اسے پلے تو صراحتے؟“

ڈاکٹر: ”مزونہ جاوے پر صرف دھکرانے لگے۔“

منسaram: ”کوئی ایسی دوائی ان میں ہے جس کو پہنچئے ہی جان نکل جاوے؟ ایسی ایک دو تو نہیں

گئی ہی دوائیں ہیں۔ یہ جو دیکھ رہے ہیں اس کی ایک بوندھی پیٹ میں ملک جاوے تو جان نہ بچے۔ آنا فاماً موت ہے جاوے۔

مسار ام: کیوں ڈاکٹر صاحب۔ جو لوگ زیر کھا لیتے ہیں، انھیں بڑی تخلیف ہوتی ہوگی۔ ڈاکٹر: سمجھی زبردیں ہیں تخلیف نہیں ہوتی۔ بعض تو ایسے ہیں کہ پتیے ہیں اور می خندما ہو جاتا ہے۔ یہ شیشی اسی قسم کی ہے، اسے پتیے ہیں انسان بہوش ہو جاتا ہے، اور پھر اس کو بہوش نہیں نہیں۔ مسار ام نے سوچا، تب تو جان دینا بہت آسان ہے پھر لوگ کیوں اتنا ڈر تے ہیں؟ یہ شیشی کیسے ہے؟ اگر دوا کا نام پوچھ کر شہر کے کسی دوا فروش سے لینا چاہوں تو وہ کبھی نہ دیکھا۔ اونہہ، اس کے لئے میں کوئی دقت نہیں۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ جان نہایت آسان سے دی جاسکتی ہے۔ مسار ام اتنا خوش ہو گیا کوئی انعام مل گیا جو۔ اس کے دل پر سے ایک بوجھ ساہنگیا۔ فکر کے بادل جو سر بر منڈل اڑ سے تھے، پھٹ گئے۔ مہینوں کے بعد آج اس کے دل میں ایک قسم کے جوش کا حساساً برا۔ کئی لڑکے تھیثر دیکھنے جا رہے تھے، سپر منڈنٹ سے اعزازت لے کر مسار ام کبھی ان کے ساتھ تھیثر دیکھنے چلا گیا۔ ایسا خوش تھا گویا اس سے زیاد خوش انسان دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ تھیثر میں نقل دیکھ کر تو وہ سننے منستے لورٹ گیا۔ بار بار تالیاں بجا کے اور دنیا ہور کی صد ادینے میں۔ سب سے پہلا نمبر اس کا تھا۔ کھاناں کر دیتے تو جو اس کے دوستوں کو اس کے حلیل ہیں پر تعجب ہو رہا تھا۔ وہ نہایت خاموش اور تین شخص تھا۔ آنے والے کیوں اتنا بنسور ہو گیا، کیوں اس کے مذاق پسندی کی انتہا نہیں ہے؟ دو بچے رات کو تھیثر سے لوٹنے پر بھی اس کی مذاق پسندی بند نہیں ہوتی۔ اس نے ایک لڑکے کی پار پانی الٹ دی، کئی لڑکوں کے کو اڑ بابر سے بند کر دیتے اور انھیں اندر سے کھکھلاتے ہوئے سنتا رہا۔ بیباں نک بور ڈنگ باوس کے سپر منڈنٹ کی بند بھی شور و غل سے اچٹ گئی۔ اور انھوں نے مسار ام کی ثراست پر اظہار افسوس کیا۔ کون جانتا کہ اس کے دل میں کتنی زبردست ٹپل ہو رہی ہے؟ بد گمان نے بی رحمان دار نے اس کی حیا اور خود داری گویا پامال کر دیا ہے جو اس کو ذلت اور حقارت کا ذر ابھی خون نہیں رہا۔ یہ تفریخ نہیں۔ اس کے دل کی رفت بھری فرمادی ہے۔ جب اور لڑکے سو گئے، تو وہ ڈنگ پر لیٹ گیا۔ مگر اسے نیند نہیں آئی۔ ایک لمحہ بعد وہ انکھی بیٹھا اور اپنی ساری کتابیں باندھ کر صندوق میں رکھ دیں جب مرننا ہی ہے تو پڑھ کر کیا ہو گا؟ جس زندگی میں ایسی ایسی پریشانی ہیں۔ ایسی ایسی افسوسیں

ہیں، اس سے موت کہیں بہتر ہے۔
 یہی سوچتے سوچتے سورا را ہو گیا: تین رات سے وہ ایک منٹ بھی نہ سویا تھا اس وقت وہ اٹھا تو اس کے پر تھر تھر اڑتے تھے اور نہ پھر اڑتا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں اور سارے اعفاذ چیلے ہو رہے تھے۔ دن چڑھتا جاتا تھا اور اس میں اتنی طاقت بھی نہ تھی کہ منہ تھہ دھوڑا لے۔ بکایک اس نے بھنگی کو رد مالیں کچھ لے ہوئے ایک کھار کے ساتھ لئے دکھا، اس کا یک جو دھک سے رہ گیا۔ ہائے ایشور، وہ آگئیں۔ اب کیا ہو گا؟ بھنگی نہیں آئی ہو گی، تجھی فرور باہر کھڑی ہو گی۔ کہاں تو اس سے اٹھانے جاتا تھا کہاں بھنگی کو دیکھتے ہی دوڑا اور گھر آئی ہوئی آوازیں بولا اماں جی بھی آئیں کہاں ہے؟ جب معلوم ہوا کہ اماں جی نہیں آئیں تب اس کا جی ٹھکانے ہوا۔ بھنگی لے گہا۔ مجھیاں اُن آئے نہیں، بہو جی نہیں اور دماغی رہ گئیں۔ ان سے کسی روشنی ہو بھیا؟ وہ تو کہتی ہے کہ میں ان کی کچھ بھی شکایت نہیں کی ہے۔ مجھ سے ان روکر گئے لگیں کہ ان کے پاس یہ مشھانی لیتی جا اور کہنا میرے کارن گھر کیوں چھوڑ دیا ہے؟ کہاں، کہ دوں پر تنخال؟

منسaram نے رکھاں کے کہا۔ مشھان اپنے سر پنک لے پڑیں وہاں سے ملما ہے مشھان لے کر خبردار ہو پھر کبھی ادھر آئی اسوغات سے کر ملی ہے! جا کر کہہ دینا کہ نہیں اگھر ہے، غم رہو۔ میں بڑے آرام سے ہوں، خوب کھاتا اور بوج کرتا ہوں سستی ہے؟ بالو جی کے سامنے کہنا، مجھی کوچھ کسی کا ذر نہیں ہے، جو کہ نہ پایا سو کروڑا بیس جس سے دل میں کوئی ارمان نہ رہ جاوے۔ وہ کہیں تو وال آباد، لکھنؤ، ملکنڈہ، چلا جاؤں۔ میرے لیے جیسے بنا رس ایسے دوسرا شہر لایاں کیا رکھا ہے؟

بھنگی: ”سبھی اسٹھان رکھو نہیں تو بہو جی در در و مر جائیں گی۔ پنج ماں رو روکر مر جائیں گی!“

منسaram نے آنسوں کے زور کو روک کر کہا۔ مر جائیں گی، میری بلا سے کون نہیں بڑا سکھ دے دیا ہے جس کے لیے پختاں۔ میرا تو انھوں نے ستیا ناس کر دیا۔ کہہ دینا کہ میرے پاس کوئی سند لیسہ نہ ہیں، اس کی ضرورت نہیں؟

بھنگی: ”تم تو کہتے ہو کہ یہاں خوب کھاتا اور جو کرنے والوں مگر دہبہ تو آدمی بھی نہیں رہتی۔ جیسے آئے تھے اس کے آدھے بھی نہیں رہتے!“

منسaram: ”یہ تیری انکھوں کا پھیر ہے، دیکھنا کہ درچار روز میں موٹا ہو کر کوہو جانا ہوں یا نہیں۔ ان سے یہ بھی کہہ دینا کہ دنادھونا بند کریں جو میں نے سنایا کہ روئی میں اور کھانا

نہیں کھاتیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں۔ مجھے گھر سے نکلا اے تو اب چین سے رہیں جل جی بخت
دکھانے، میں اسے تریا چہر تر بہت پڑھے جیٹھا ہوں۔ ”
جنگل جل جی تھی۔ منارام کو اس سے بازیں کرتے ہی کرتے کچھ سردی معلوم ہونے لگی تھی۔
یہ تماشا کرنے کے لیے اسے اپنے بذباثت کو جتنا دبانا پڑا تھا وہ اس کے لیے بہت مشکل تھا۔
اس کی خودداری اُسے اس پر فرب روشن کو جلد سے جلد ختم کر دینے کے لیے مجبور کر رہی تھی۔
مگر اس کا تیجہ کیا ہو گا؟ نر طاکیا یہ صدمہ برداشت کر لے گی؟ اب تک وہ اپنی سوت کا خیال
کرتے دلت کسی اور شخص کا خیال نہ کرتا ہو گیا مگر آج یہ کا ایک اسکو معلوم ہو گا کہ بیری زندگی کے
ساتھ ایک اور شخص کا رشتہ زندگی بھی دالتھا ہے۔ نر ملائی سمجھے گی کہ میری بے اقتضائی
ان کی جان لی، یہ سمجھ کر گی اس کا نازک دل شتی نہ ہو جائے گا؛ اس کی زندگی تو اب بھی طبیعت
میں ہے بدگمانی کے سنگین تیجہ میں چنسی ہوئی عورت کیا اپنے آپ کو فائدہ سمجھ کر بہت دلوں
تک زندہ رہ سکتی ہے؟

منارام نے پلٹ پر لیٹ کر لحاف اوزھ لیا، بھر بھی سردی سے کلیچہ کان رہا تھا۔
خونری ہی دیر میں، اس کو شدت سے بخارا گیا۔ وہ بیہوش ہو گیا۔ اس غشی کی حالت میں
اس کو طرح طرح کے خواب دکھائی دینے لگے۔ ذرا ذرا دیر بعد چونک پڑتا آنکھیں کھل تھیں۔
بھر بھوش ہو جاتا۔

دقائق و کیل صاحب کی آواز سن کر دھوکہ پڑا۔ ہاں وکیل صاحب ہی کی آواز تھی۔
اس نے لحاف پھینک دیا اور پلٹ سے اندر کر کچھ کھڑا ہو گیا اس کے دل میں ایک نوری
جذبہ پیدا ہوا کہ اسی وقت ان کے سامنے جان دیدوں۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ جن مرجاوں
تو انھیں پھی خوشی ہو گی۔ شاید اسکی لیے یہ دمکھنے آئے، میں کہ بیرے بیرے صرف میں کتنی دیر ہے؟
وکیل صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ وہ گردنٹرے، اور پوچھا۔ کبھی طبیعت ہے؟ لیتے کیوں
ذر ہے ہلبیٹ جاؤ، ہلبیٹ جاؤ، تم کھڑے کیوں ہو گئے؟

منارام طبیعت تو اچھی ہے۔ آپ کو نا حق تکلیف ہوئی۔ ”
مشی جی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لڑکے کی حالت دیکھ کر ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔
وہ سندھست لڑکا جسے دیکھ کر دل سرور ہو جاتا تھا۔ اب سوکھ کا نہ ہو گیا ہے۔ پانچ چھر دز
ہی میں وہ آنا لاغر ہو گیا تھا کہ اسے پہچانا مشکل تھا۔ مشی جی نے اس کو آہستہ سے پلٹ پر
لٹا دیا۔ اور لحاف اچھی طرح اڑھا کر سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے، کہ کہیں لڑکا تھا سے
تو نکل جاویگا؟ پہنیاں کر کے وہ رنج سے پریشان ہو گئے۔ اور اسٹول پر بیٹھ کر زارِ نظر

روئے گے۔ نصارا مسیحی لفاف میں منہ لیتھے رورا تھا۔ ابھی چند ہی روز قبل اسے دیکھ کر ہاپ کا دل غرور سے پھول اٹھتا تھا۔ مگر اب اسے اس نازک حالت میں دیکھ کر وہ سوچ رہا ہے کہ اس گھر لے جلوں یا نہیں؟ کیا یہاں دو انہیں جو سکتی ہے میں یہاں چو بیسوں گھنٹے بیٹھا رہوں گا۔ تو اکثر صاحب یہاں موجود ہی ہیں، کوئی وقت نہ ہوگا۔ گھر لے جانے میں انہیں وقت ہی نظر آتی تھی۔ سب سے زیادہ انہی شیری تھا کہ دہاں فرما لاس کے ہاں ہر وقت مطہی رہے گی، اور میں منع نہ کر سکوں گا۔ یہ ان کے لئے ناقابل برداشت تھا!

اتھے میں پرمند نٹ نے اکٹہ کہا ہے میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں گا میری سے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ یہاں بخوبی تیمارداری نہ ہو سکے گی؟

مشی جی ڈہاں آیا تو میں اسی خیال سے تھا، لیکن ان کی حالت نہایت ہی نازک معلوم ہوتی

ہے ذرا گفتگو سے سر سام بھر جانے کا انہی لیتھے ہے؟

پرمند نٹ: ڈہاں سے انہیں لے جانے میں تو تھوڑی سی وقت فرود رہے مگر یہ لوگ خود ہی سوچ سکتے ہیں کہ گھر پر چو آدم مل سکتا ہے۔ وہ یہاں کسی طرح نہیں مل سکتا۔ اس کے علاوہ کسی تیار لڑکے کو یہاں رکھنا غلافِ فaudience بھی ہے؟

مشی جی کہئے تو میں ہمیشہ صاحب سے اجازت لے لوں۔ مجھے ان کو یہاں سے اس مالت میں لے جانا کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہزنا۔

پرمند نٹ نے ہمیشہ صاحب کا نام سناترکھے کہ یہ حضرت مجھے دھکی دے رہے ہیں ذرا بنتکر بولے: ”ہمیشہ صاحب کے غلاف کوئی بات نہیں کر سکتے۔ میں آنے بڑی ذمہ داری کیے لے سکتا ہوں۔“

اب کیا ہو؟ کیا گھر لے جانا ہو؟ پڑے گا؟ یہاں رکھنے کا تو یہ بہانا تھا کہ لے جانے سے بیماری بڑھ جانے کا انہی لیتھے ہے۔ یہاں سے لے جا کر استھان میں تھہر لئے کے لیے کوئی بہانہ نہیں ہے۔ جو سنے کا وہ ہی کہے گا کہ ذاکر کی فیس بچانے کے لیے لڑکے کو استھان پر بھینک آئے۔ مگر اب لے جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اگر پرمند نٹ صاحب اس وقت رشتہ لینے پر تیار ہو جانے تو شاید دو چار سال کی تخریاہ لے سکتے تھے۔ لیکن فaudience کے لوگوں میں اتنی ہوشیاری کہاں؟ اگر اس وقت مشی جی کوئی آدمی الیسی بات سمجھا دیتا کہ انہیں نہ کو گھرنے لے جانا پڑے تو وہ تمام عمر اس کا احسان مانتے پسونچنے کا موقع بھی نہ تھا۔ پرمند نٹ صاحب شید طان کی طرح سر پر سوار تھے! بھروسہ کر فشی جی نے دلوں سامیسوں کو بلایا اور نصارا م کو انھانے لے گئے۔ نصارا م نہیں مشی کی مالت میں تھا۔ چونکہ کربولاً کیا ہے؟ کون ہے؟

مشی جی، کون نہیں بیٹا، میں تمہیں گھر لے پلانا چاہتا ہوں۔ اُو۔ میں گودیں انٹھا رکھا۔
 منسار ام: مجھے گھر کیوں لے پلئے ہیں۔ میں وہاں نہیں نہیں جاؤں گا۔
 مشی جی: یہاں تو منہیں رہ سکتے قاعدہ ہی کچھ ایسا ہے۔
 منسار ام: کچھ بھی ہو۔ جیسی دہان نہیں جاؤں گا۔ مجھے اور کمیں لے پلئے کسی درخت
 کے نیچے، کسی جھونپڑے میں، جہاں چاہے رکھنے بلکہ گھر نے لے چلتے ہیں؟
 سپرینٹنڈنٹ نے مشی جی سے کہا: آپ ان باتوں کا خیال نہ کریں، یہ تو ہوش ہیں نہیں ہیں۔
 منسار ام: کون ہوش میں نہیں ہے؟ میں ہوش میں نہیں ہوں؟ مجھے سبھیں پڑا رہنے دیجئے
 جو کچھ ہونا ہو گا میرے دیس میں ہو گا۔ اگر اپنا ہی سے تو مجھے اسپتال لے جائے جیسی دہان ہوں گا۔
 بینا ہو گا جسوا نکلا۔ مرنابر گامروں نکلا، ملکر گھر تو کسی طرح بھی نہ جاؤں گا۔
 یہ زور پا کر منشی جی پھر سپرینٹنڈنٹ سے التباہ کرنے لگے، لیکن یہ قاعدہ کا پابند شخص کچھ
 ستاہی نہ تھا۔ اگر چوت کی بیماری ہوئی اور کسی دوسرے لڑکے کو پھرست لگ کر نواس کا ذر
 دار کون ہو گا؟ اس دلیل کے ساتھ مشی جی کی نافی دلیلیں بھی مات ہو گئیں۔ آخر منشی جی نے
 منسار ام سے کہا: میا، تمہیں گھر چلنے سے کبھی انکار ہو رہا ہے؟ وہاں تو سمجھی طرح کا ارم رہا ہے
 کہا۔ مشی جی نے کہنے کو تو بات کہدیں۔ ملکر خوف تھا کہ کہیں سچ پنج منسار ام چلتے پر راضی نہ ہو جائے۔
 وہ منسار ام کو اسپتال میں رکھنے کا کوئی جبلہ علاش کر رہے تھے اور اس کی ساری ذرداری
 منسار ام ہی کے سرڈاں لانا چاہتے تھے۔ یہ سپرینٹنڈنٹ کے سامنے کی بات تھی۔ وہ اس بات کی
 شہادت رہے سکتے تھے کہ منسار ام اپنی ہی ضد سے اسپتال جا رہا ہے۔ مشی جی کا اس میں ذرا
 بھی فقصور نہیں ہے۔
 منسار ام نے جھلکا کر کہا: نہیں نہیں نہیں۔ سو بار نہیں۔ میں گھر نہیں جاؤں گا۔ تجھے اسپتال
 لے چکتے اور گھر سے سب آریوں کو منع کر دیجئے کر تجھے دیکھنے نہ آؤں۔ تجھے کچھ نہیں براہ راست
 بالکل۔ یا نہیں۔ اب تجھے جھپڑا دیجئے: میں اپنے پریوں پر ملی سکتا ہوں؟
 سپرینٹنڈنٹ اور زیورا: زیورا دار دار ازہ کی طرف چلا۔ بلکہ پر پڑھڑا کے اگر منشی تو
 ہے۔ زیورا بیساکھی تر اس کو سخت چوت آتی۔ دو فوٹ نو گروں کی مدد سے فرشی تی اس کو
 گھری کے پڑائے اور اند رنجھا دیا۔ سکاڑ میں اسپتال کی طرف جلی۔ رہنے ہو رہا تھا مشی جی چاہتے
 تھے۔ اس میں بھی ان کا دل مطمئن تھا لہذا کا اپنی خوشی سے اسپتال جا رہا ہے، کیا۔ اس بات کا
 ثبوت نہیں کہ اس کو کچھ بھی محنت نہیں ہے، بھی اس سے یہ ثابت نہیں سوتا۔ منسار ام
 بے گناہ ہے۔ وہ اس پر ملا وجہہ شکر کر رہے تھے۔ لیکن ذرا ہی دیر بعد اس اٹھیاں کی جگہ

ان کے دل میں پیشال نہ احساس ہوا وہ اپنے پیارے بیٹے کو گھر نہ لے جا کر اسپتال لیے جائے تھے۔ ان کے عالی شان محل میں ان کے لڑکے کے لیے بھی جگہ نہ تھی۔ اس حالت میں بھی جب کہ اس کے جیسے مرے کا سوال تھا، کتنا اندھیرہ!

ایک لمحے کے بعد یکاپنگ مشی جی کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کہیں منوار ام ان کے خیالوں کو تاثر تو نہیں گیا؟ اسی لیے تو اس کو گھر سے نفرت ہو گئی ہے۔ اگر ایسا چیز غصب ہو جاؤ گا۔

اس بات کے خیال ہی سے مشی جی کے رو گئے گھر لے ہو گئے اور ان کا دل دھرنئے لگا۔ قلب میں ایک دھکا سالگا۔ اگر اس بخاکار کا یہی سبب ہے تو ایشور ہی مالک ہے۔ اس وقت ان کی حالت بہت ہی قابلِ حرم تھی۔ وہ آگ جوانخون نے اپنے ٹھہرے ہوئے ہاتھوں کو سینکھ کر لیے جلا تھی، اب ان کے گھر میں لگی جا رہی ہے۔ اس رنج و غم، پیشیانی اور اندر ٹھیسے سے انکا دل لگرا اٹھا۔ ان کے خفیتی گریہ کی اواز باہر نکل سکتی تو سننے والے روپڑتے ان کے آنسو باہر نکل سکتے تو ان کا سلسلہ بندھ جاتا۔ انخون نے لڑکے کے زرد را فسردہ چہرے کی ایک بار محبت بھری نگاہوں سے دیکھا، رجھتے بیقرا رہو کر اسے سینے سے لگا دیا اور اتنا دئے کہ کچھی بندھ گئی۔ سامنے اسپتال کا بھاگ ملک دھکا دے رہا تھا۔

(11)

مشی طول ارام شام کو پھری سے گھر پہنچنے تو نر لانے بوجھا۔ انہیں دیکھا ہے کیا حال ہے؟“
مشی جی نے درکبھا کہ نر ملا کے چہرے پوری بیانیں کفر کا نام و نشان بھی نہیں ہے، اس کا بنا و سماں
اور رنوں سے پچھہ بڑھ جاؤ کر ہوا ہے۔ مثلاً وہ گلے میں کار نہ پہنچتی تھی مگر آج وہ بھی ٹھلے میں
پڑا ہوا تھا۔ جھوڑ سے بھی اس کو بہت رغبت رکھی مگر آج وہ بار بیک ریشمی سارا صمی کے پیچے
سیاہ سیاہ بالوں کے اوپر چڑاغ فانوس کی طرح چک رہا تھا۔ مشی جی نے منہ پھر کر کہا بیمار ہے
اوڑیا ہاں بتاؤں؟“

نر لانہ تم تو انہیں بیہاں لانے گئے تھے؟“

مشی جی نے تھنچلا کر کہا۔“ وہ بیہاں نہیں آیا تو کیا میں جیرا اٹھانا؟ کتنا سمجھا ہا کر بیٹا،
گھر جلو، دیاں تینیں کوئی سکھیف نہ ہونے پاولی، مگر گھر کا نام سن کر اس کو جیسے دو گنہ خدا
ہو جاتا تھا۔ کہنے لگا کہ میں بیہاں مر جاؤں لیکن گھر نہ جاؤں گا۔ اُخْرِ مجبور ہو کر اسپتال نہیں پہنچا
اوڑ کیا کرنا یا؟“

رکمنی بھی اگر برآمد ہے جس کھڑی ہو گئی تھی بولی۔“ وہ جنم کا ہی ہے، بیہاں کسی طرح نہ

کو بیجا اور یہ بھی دیکھ لینا کہ وہاں اچھا بھی نہ ہو گا؟

مشنی جی نے دبی آواز میں کہا۔ تم دو چار دن کے لیے وہاں ملی جاؤ تو بڑا اچھا ہو جہن
تھا رے رہنے سے اسے تسلیم ہوتی رہے گی۔ میری بہن، میری یہ بات مان لو ایکلے وہ روکر
جان دے دے گا۔ بس ہائے اماں، ہائے اماں کی رٹ لگا لگا کر روایا کر کرتا ہے۔ بس وہاں
جاتا ہوں، میرے ساتھ ہی چلو۔ اس کی حالت اچھی نہیں بہن، وہ صورت ہی نہیں وہی
دنکھیں ایشور کا کرتے ہیں۔“

یہ کہنے کہتے ششی جی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ لیکن رکمنی نے استقلال سے کہا۔ میں
بائے کو تیار ہوں۔ میرے وہاں رہنے سے اگر یہ رے پچھے کی جان بچ جاوے تو میں سر کے بل دوڑھی
چاؤں گی۔ لیکن میرا کہناً گرد باندھ لو جھیا، وہ وہاں اچھا نہ ہو گا۔ میں اسے خوب جانتی ہوں۔ اُسے
بیماری نہیں ہے۔ صرف گھر سے نکلے جانے کا رنج ہے۔ یہی رنج بخار کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔
تم ایک نہیں لا کہ دو اکرو، سول سو ہنڑی کو کبون نہ دکھلاو، مگر اس کو کوئی دو اثر نہ کر سکی۔
مشنی جی؟ بہن، اسے گھر سے نکلا کس نے، میں نے صرف اس کل پڑھانی کے خیال سے
اسے وہاں پہنچا تھا؟

رکمنی؟“ تم نے جا ہے جس نیال سے بھیجا ہو، مگر یہ بات اس کو گگ گئی ہے۔ میں نواب کسی
گنتی میں نہیں ہوں، مجھے کسی بات میں یوں لئے کا اختیار نہیں ہے۔ مالک تم، مالکن تھا میں غورت
میں تو صرف تھا رے کر دیوں پر ڈبھی ہوں ابھاگن بدھو ہوں۔ میری کوئون سنے گا۔ اور کون
پرواہ کرے گا؟ مگر لبیر بولے رہا نہیں جاتا۔ خسارا میری اچھا ہو گا۔ جب گھر آوے گا، جب
تھا را دل دہی ہو جاوے یا جو ہے لے ہخا۔“

یہ کہہ سکر رکمنی وہاں سے چلی گئی۔ ان کی گمراہ و تجربہ کار آنکھوں کے سامنے جو نمائش
ہو رہے تھے، ان کا بھید وہ خوب زیستی تھی اور ان کا سارا غصہ بے گناہ نہ ملائی پر اتنا تھا۔
اس وقت بھی وہ پہنچنے کرنے کی کہتے تھے اس کی کہتے تھے کہ جب تک یہ لکشمی اس آنکھیں ریں گی، اس آنکھیں حالت
بکھر دل جاوے گی۔ مگر اس سے ظاہر ان کے پہنچنے پر بھی اس کا مرطاب مشنی جی سے چھپا نہیں رہا۔
اس کے چلے جانے پہنچنے جی نے سر جھکا کیا۔ اور سوچنے لگے۔ انھیں اپنے اوپر اس وقت اتنا
غصہ آ رہا تھا کہ دبوار سے سر پھک کر انی زندگی کا خاتمہ کمر دے۔ انھوں نے کبون شادی
کی تھی۔ شادی کی کا ضرورت تھی؟ ایشور نے انھیں ایک نہیں میں بیکے دیتے تھے۔ ان کی
غم بھی پیاس کے قریب کے قریب پہنچنے کی تھی۔ بھرا انھوں نے کبون شادی کی؟ کیا اسی بدلے ایشور
کو انھیں خدا گرنا منتظر تھا؟ انھوں نے سر اٹھا کر ایک ہمار نہ ملائی تبسم مگر پر سکون صورت

دیکھی اور اسپتال پلے گئے، نرالا کے متسرم حسن نے ان کی دلی تیکن کر دی تھی، آج کئی روز
کے بعد انہیں یہ نسکین مل تھی۔ پرمیخت دل کیا اس حالت میں اتنا پر سکون رہ سکتا ہے نہیں،
ہرگز نہیں، دل کا صدمہ نہ ظاہری جذبات سے نہیں چھپا بایا جا سکتا۔ اپنے دل کی کمزوری پر اسی
رفت انہیں بہت ہی غصہ آیا۔ انہوں نے بلا سبب ہی بدنگانی کو دل میں بگدے کرتے ہے
النصافی کی۔ سارا مام کی طرف سے بھی ان کا دلی صاف پور گیا اس کے بجائے اب ایک نیا اندیشہ
پیدا ہو گیا۔ کیا سارا مام بھاپ تو نہیں گیا؟ کیا اسی لیے تو گھر آئنے سے انکار نہیں کرو رہا؟ اگر وہ
نازگیا ہے تو ٹرا غصبہ ہو جاوے گا۔ اس خیال ہی سے ان کا دل کھرا اٹھا۔ ان کے بد ن کی
ساری ایڈیاں گویا اس فریاد و فنا پر پانی ڈالنے کے لیے بیقرار ہو گئیں۔ انہوں نے کھوان
سے گھوڑا تیز کرنے کے لیے کہا۔ آج کئی دنوں کے بعد ان کے دل پر چھائی ہوئی کالی گھٹا بھٹ
گئی تھی۔ اور لوگ کی شعاعیں اندر سے مکلنے کے لیے بیتاب ہو رہی تھیں۔ انہوں نے بلہر سکال
کمر دیکھا کہ کھوان سو تو نہیں رہا ہے۔ گھوڑے کی رفتار انہیں اتنی سست کبھی نہ معلوم
ہوئی تھی۔

اسپتال سنچ کر وہ دوڑے ہوئے سارا مام کے پاس گئے۔ زیکھا توڑا اکثر صاحب
اس کے سامنے متقدہ کھڑے تھے۔ مشی جی کے ہاتھ پر پھول گئے بمنے سے اوائز نہ مکمل سکی۔
بھرا ہوئی آواز بی بڑی مشکل سے بو لے کیا حال ہے، ڈاکٹر صادب؟ یہ کہتے کہتے وہ روپڑے
اور جب ڈاکٹر صاحب کو ان کے سوال کا جواب دینے میں ایک لمحے کی تاخیر ہوئی تو ان کے
ہوش اڑ گئے۔ انہوں نے پنگ پر پیچے بے ہوش لڑکے کو گود میں لیا، اور بچوں کی طرح سک
سک کر رونے لگے۔ سارا مام کا جسم بخار سے جل رہا تھا۔ اس نے ایک بار آنکھیں کھولیں آہ
کتنی خوفناک اور سانحہ ہی کتنی عاجزی بھری مگاہ تھی۔ مشی جی نے اسے گلے سے لگا کر ڈاکٹر
صاحب سے پوچھا، کیا اسی ہے صاحب؟ آپ خاموش کیوں میں؟

ڈاکٹر نے شک آمیزہ لپجھے میں کہا۔ حال جو کچھ ہے وہ آپ دیکھہ ہی رہے ہیں۔ ۱۰۴۰ اڈگری
بخار ہے۔ اور بیسی کیا بتلاوں؟ ابھی بخار کا ذریثہ ہتنا ہیں جانتے ہیں۔ میرے کیے جو کچھ ہو سکتا
ہے، وہ کمر رہا ہوں۔ الشور مانگ ہے۔ جب سے آپ گئے ہیں؟ میں ایک منٹ کیلئے
یہاں سے نہیں ہٹا۔ کھانا تانگ نہیں کھا سکا۔ حالت آٹھ نازک کے ایک منٹ میں کیا
ہو جاوے بیگا۔ نہیں کھا جا سکتا۔ یہ مہلک بخار ہے۔ مر یعنی کو بالکل ہوش نہیں ہے رہ رہ کر
سر سام کا درد ہو جاتا ہے۔ کیا گھر میں ان کو کس نے پچھا کہا ہے؟ بار بار "اماں جی نہم کہاں ہو؟"

سی آواز منہ سے نکلتی ہے؟"

ڈاکٹر صاحب یہ کہہ ہی رہے تھے کہ دفتارِ مسازام اٹھ کر بیٹھ گی۔ اور یہ دھنگ سے منشی جی کو پینگ کے پیچے ڈھنگیل کر دیوں اٹھ کے لہجے میں بولا جگیروں دہمکاتے ہیں؟ آپ ماذالیے خار ڈالئے۔ تو اونہیں ملتی رسی کا پھندا ہے یاد کبھی نہیں ہے؟ میں اپنے گلے میں نگاہوں گلا رہا ہے اماں جی، تم کہاں ہو؟ یہ کہتے کہتے وہ پھر بیدش ہو گر گر پڑا۔

مشی جی ایک لمحے تک مسازام کے افسردہ چہرے کی طرف خوفناک نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ پکڑا یا اور بہت انجام آمیز اصرار سے بول۔ "ڈاکٹر صاحب! اس لڑکے کو بجا لیجئے۔ ایشور کے لیے بجا لیجئے۔ ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا میں امیر نہیں مگر آپ جو کچھ کہیں ہے وہ حافظ کرو نگا۔ اسے بجا لیجئے۔ آپ ٹھرے سے ٹبرے ڈاکٹر دنکو بلا یئے اور ان کی رائے لیجئے۔ میں سارا صرفہ دے دو نگا۔ اس کی بہ حالت اب نہیں دیجیں جائیں۔ یا نے میرا ہو نہار بیٹا!"

ڈاکٹر صاحب نے دردناک لمحے میں گہا۔ "بابو صاحب، میں آپ سے سچ کہنا ہوں کہ میں ان کے لیے اپنی طرف سے کسی قسم کی کوئی نہیں کر رہا ہوں اب آپ زیجڑ ڈاکٹر دنکے مشعر کے لیے کہتے ہیں۔ میں ابھی ڈاکٹر لاہری، ڈاکٹر بھاٹیہ اور ڈاکٹر ناخوں کو بیفا مدد و شفی نہیں دینا چاہتا۔ حالت بہت نازک ہے۔"

مشی جی نے روتنے ہوئے گہا۔ "نہیں ڈاکٹر صاحب اپنے نظامہ سے نکالنے والات ان کے دشمنوں کی نازک ہے! ایشور مجھ پر اتنا قبرنہ کر دیا گے، آپ کہنے اور نہیں کے ڈاکٹر دنکو کوتار دیجئے۔ میں زندگی بھر آپ کی غلامی کر دنگا۔ یہی بیراچرا غاندان ہے! یہی بیری زندگی سا سہارا ہے! امیر ادل پھٹا جا رہا ہے۔ کوئی ایسی درانی دیکھئے کہ اسے ہر شانہ آہا وے۔ میں فرما اپنے کانوں سے اس کی باتیں سنوں، یہ جان سکوں کہ اسے کیا تکلیف ہو رہی ہے۔ ہائی کورٹ کچھ۔"

ڈاکٹر ہا آپ فرادر کو سکیں دیجئے۔ آپ بزرگ ادمی ہیں۔ یہوں ہائے ہائے کرنے سے اور ڈاکٹر دنکی فوج جمع کرنے سے کوئی تباہ نہ سکھے گا۔ خاموش ہو کر متعینے ہیں درست ڈاکٹر دنکو ملا رہا ہوں۔ دیکھیتے وہ کیا کہتے ہیں۔ آپ تو خود بدتر اسی ہو تھے جانے ہیں؟

مشی جی "اچھا ڈاکٹر صاحب، میں اب نہ بولوں گا، زبان نک گھولوں گا آپ جو چاہیں کریں، کچھ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ ہی اسے بچا سکتے ہیں! میں اتنا ہی چاہتا ہوں کہ ذر اسے ہوش آ جاوے، مجھ پہچانے۔ اور میری باتیں سمجھنے لگے۔ کیا کوئی ابھی دوائی نہیں ہے کوئی ابھی سنجوں بولی نہیں؟ میں میں اس سے دوچار باتیں گر لیتا؟"

یہ کہتے کہتے فشی جی پھر جوش میں اگر مسازم سے بولے۔ ٹیا! ذرا آنکھیں کھو لیں گیاں
ہے؟ میں تمہارے پاس بیٹھا درہا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میرا دل غمہ میں
طرف سے صاف ہے:

ڈاکٹر، پھر گپنے دا ہیات باتیں شروع کر دیں۔ ارے صاحب، آپ بچے نہیں میں،
جنورگ آدمی ہیں، ذرا صبر سے کام لیجئے۔

نشی جی: ”اچھا، ڈاکٹر صاحب! اب نہ لو لو بھگا۔ خطاب ہوئی۔ آپ جو چاہیں کریں میں نے
سب کچھ آپ پر چھوڑ دیا۔ کیا کوئی ایسی تدبیر نہیں ہے جس سے میں اس کو اتنا سمجھا سکوں کہ میرا
دل صاف ہے۔ آپ ہی کہہ دیجئے، ڈاکٹر صاحب! کہہ دیجئے کہ تمہارا بدنی یہ بآپ بیٹھا درہا
ہے، اس کا دل تمہاری طرف سے بالکل صاف ہے۔ اسے کچھ وہم ہوا تھا، وہ اب دوستہ گبا۔
بس اتنا ہی کہہ دیجئے۔ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ میں خاموش بیٹھا ہوں، زمان نکھریں گھولتا
مگر اتنا فرواد کہہ دیجئے؟“

ڈاکٹر! الشور کے لیے با بود صاحب! ذرا صبر کیجئے، درنہ مجھے مجبور ہو کر آپ سے کہنا
پڑے گا۔ کہ آپ گھر تشریف لے جائیے۔ میں ذرا دفتر میں جا کر ڈاکٹر صاحبان کو خط لکھ رہا
ہوں۔ آپ یہاں فاموش بیٹھے رہئے گا!

بے رحم ڈاکٹر! نوجوان میئے کی یہ حالت دیکھ کر کون بآپ بے ہو صبر سے کام لے گا؟“
نشی جی بہت سخیبدہ مزاج شخص تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس وقت اتنے بارے کرنے سے
کوئی فائدہ نہیں، مگر یہ بھی اس وقت چوتھا بآپ بیٹھنا ان کے لیے ناممکن تھا۔ اگر اتفاقاً یہ
بیماری پھولتی تو وہ صبر کر سکتے تھے، دوسروں کو سمجھا سکتے تھے اور خود ڈاکٹر دیں کو بلا سکتے
تھے۔ مگر کیا یہ جانتے ہوئے بھی و صبر کر سکتے تھے کہ یہ سب آگ میری ہی لگانی سہلتی ہے۔
کوئی بآپ اتنے سخت دل کا ہو سکتا ہے بلکہ کار دیاں رویاں اس وقت ان پر لعنت کر رہا تھا
انہوں نے سوچا کہ مجھے میں یہ بد گمانی پیدا ہی کبیں ہوئی؟ میں نے کبیوں بلاشبہ دیہ شبوت کے
ایسا فرض کر لیا؟ اچھا مجھے اس حالت میں کیا کرنا چاہیے تھا؟ جو کچھ انہوں نے کیا، اس کے
سوادہ اور کیا کرتے؟ اسے وہ نجائز کر سکے۔ دراصل شادی کے جھگڑے میں پڑنا ہی اپنے
بیرونی میں کلمہ اڑی مارنا تھا۔ ہاں بیسی سارے فساد کی بنیاد ہے!

مگر میں نے یہ کوئی انوکھی بات نہیں کی، سمجھی عورت مرد شادی کرتے ہیں۔ ان کی زندگی
لطف سے بس مرتو ہے۔ لطف کی خواہیں سے تو ہم شادی کرتے ہیں۔ اسی مغلے میں صد بیا
ہ شخص نے دوسرا تیسرا بجوتھا، یہاں تک کہ ساکواں بیاہ کیا ہے اور مجھ سے سمجھی کہیں زیادہ

غمزیں۔ وہ جب شک جائے، آرام ہی سمجھتے، بیہمی نہیں ہوا سمجھی بیری سے پہلے مر گئے ہوں۔ دو تین ہیں شادیاں کرنے پر بھی کتنے ہی پھر بلا عورت کے ہو گئے۔ اگر بیرے چیزیں حالت سب کی ہوں تو بیاہ کا نام ہی کون لیتا؟ میرے والد صاحب ہی نے پچھن سال کی عمریں بیاہ کیا تھیں اور بیری پیدائش کے وقت ان کی عمر سانچھے برس سے کم نہیں۔ ہاں یہ بات فرور ہے کہ تب اور اب میں کچھ فرق ہو گیا ہے۔ پہلے عورتیں پڑھی کھمی دہوتی تھیں۔ شوہر خواہ کیسا ہی ہو۔ اسے قابل پرستش سمجھتی تھیں۔ بات ہو کہ مرد سب کچھ دیکھ سکر بھی بھیاں کے لام لیتا ہو۔ فرور یہاں بات ہے۔ جب جوان مرد بُوڑھی عورت کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتا تو جوان عورتیں کیوں کسی بُڈھے سے خوش رہنے لگیں؟ لیکن میں کچھ ایسا بذہاں تھا کہ مجھے دیکھ کر کوئی چالیں سال سے زیادہ کا نہیں بتلا سکتا۔ کچھ بھی ہو جوان ڈھلن جانے پر جوان عورت سے کچھ نہ کچھ بھیاں ضرور کرنی پڑتی ہے۔ اس میں شک نہیں! عورت قادر تر ہیا دار ہوتی ہے، فاہشہ عورتوں کی بات تود دسری ہے۔ مگر عموماً عورت مرد سے کہیں زیادہ پاک باز ہوتی ہے۔ جوڑ کا شوہر پاکر دہ چالپے غیر شخص سے مہسی مذاق کرے مگر اس کا دل صاف رہتا ہے۔ بے جوڑ بیاہ ہو جانے سے دہ چا ہے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں مگر اس کا دل مغموم رہتا ہے۔ وہ پختہ دیوار ہے، اس میں سیری کا اثر نہیں ہوتا۔ یہ خام دیوار ہے اور اس کا وقت تک کھڑی رہتی ہے جب تک اس میر بیری نہ چلاں ہاوے۔

اسی طرح سوچتے سرچتے فرشتی گو ایک چھپکی آجئی۔ دلی خیالات نے فوراً خواب کی صورت کی اختیار کر لی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی پہلی بیوی نے اس امام کے سامنے کھڑی کہہ تھا ہے "سوہیا یہ تم نے کیا کیا؟ جس کے سویں نے اپاixon پلا بلا کر پالا اس کو تم نے آتی پے دردی سے مار دالا۔ اب یے اچھے پال جلن والے لڑکے پر تم نے اتنا بڑا لکنک لگا دیا۔ اب یعنی کیا بسوئے ہو؟" تم نے اس سے باخندہ دھولیا۔ متهارے ہاتھوں سے چھین گریں اس کو پانے ساتھ لئے جاتی ہوں۔ تم تو اتنے شکنی کبھی نہ تھے، کیا بیاہ کرتے ہی شکنگوں میں گلے باندھ لائے اس کے نئے دل پر آتی گڑھی چوٹ اتنا بڑا لکنک اٹھا کر جینے والے کوئی بے جانی ہون گے۔ بیراٹیا نہیں۔ یہ کہتے ہوئے اس نے لڑکے کو گود میں اٹھایا۔ اور جلی بنسی جی نے روئے ہوئے اس کی گود میں سے نے اس کو تھین لینے کے لیے باخندہ بڑھایا تو ان کی آنکھیں یکدم کھل گئیں اور ڈاکٹر لاہری، ڈاکٹر سجاٹیہ وغیرہ لفف درجن ڈاکٹر صاحبان ان کے سامنے کھڑے ہوئے لظر آئے۔

(۱۲)

تبین روز گزر گئے اور ملشی جی گھر نہ آئے۔ رکمنی دلوں وقت شفا خانہ جاتی اور منسار ام کو دیکھا آئی تھی۔ دلوں لڑکے بھی جاتے تھے۔ مگر نر ملا کیسے جاتی؟ اس کے پر دل بیسی تو پڑیاں پڑی ہوئی تھیں! وہ منسار ام کی علاالت کی کیفیت معلوم کرنے کیلئے پیقرار رہتی۔ اگر رکمنی سے کچھ پوچھتی تو طعن و تشیع بیسی جواب ملتا تھا، اگر لڑکوں سے کوئی بات دریافت کرتی تو وہ بے سرپر کی باتیں کرنے لگتے۔ ایک مرتبہ خود جا کر دیکھنے کیلئے اس کا دل دبے چین ہورہا تھا اس تو اندر لیشہ ہو رہا تھا کہ بدگمانی نے کہیں مششی جی کی شفقت پدری کو مفقود نہ کر دیا ہو یا ساداں کا بخل تو منسار ام کے صحتیاب ہونے بیسی بارج نہیں ہو رہا تھا کہ لوگ کسی کے غریز نہیں ہوتے؟ انھیں تو اپنی فیس سے مطلب خواہ مودہ دوڑا جیں جاوے یا بہشت میں! اس کے دل بیسی زبردست خواہش ہوتی تھی کہ وہ خود اسپتال جا کر اور ڈاکٹر کو ایک بیزار کی تھیلی دے کر کہے کہ اس کو اپ آرام کمرد یکھئے، یہ تھیلی آپ کی نذر ہے، اگر اس کے پاس نہ تو اتنے روپے تھے نہ اس کے دل بیسی اُسی بہت تھی۔ اب بھی اگر وہ دہائی پہنچ سکتی تو منسار ام صحت پا جاتا۔ اس کی صیبی تھا رداری ہوئی چلہئے دیسی نہیں ہو سکتی ہے۔ ورنہ کیا تین روز تک بخار ہی نہ اترتا؟ یہ سمجھاتی بخار نہیں، دل بخار ہے اور دل کی تسلیں ہی سے اس سمازوں گھٹ سکتا ہے اگر وہ تمام رات بھی وہاں بیٹھی رہ سکتی اور سنتھی جی کو ذرا بھی بدگمان نہ ہوتی تو منسار ام کو یقین ہو رہا تاکہ باپ کا دل میری طرف سے صاف ہے، اور پھر اس کے صحت ہونے میں دیر نہ لگتی۔ لیکن کیا ابیا ہو گا؟ نہیں جی اس کو دل دیکھ کر مطہیں ہو سکیں گے؟ کیا اب بھی ان کے دل بیسی کدوڑت ہے۔ سیاں سے جاتے وقت تو ایسا معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنے کئے پہ پھنوار ہے میں۔ لیبا تو نہ ہو سکا کہ اس کے دہاں جاتے ہی منشی جی کے دل میں پھر لٹک پیدا ہو جاتے اور وہ بیٹھے کی جان لے کر ہی چھوڑ دیں۔

اس سنش و پنج کی عالت میں تین روز گزر گئے۔ نہ گھر میں چولہا جلا اور نہ کسی نے کھایا لڑکوں کے لیے بازار سے پوریاں مٹکائی جاتی تھیں۔ رکمنی اور نر لامبوکی ہی سوچاتی تھیں۔ انھیں کھانے کی خواہش نہ ہوتی تھی۔

چوتھے روز جیا رام اسکول سے لوٹا تو اسپتال ہوتا ہوا مکان آیا۔ نر ملانے پوچھا، "کیوں بھیا؟ اسپتال بھی کئے تھے؟ آج تو وہ کچھ بوستے ہی نہ تھے۔ چپ چاپ چاری پر ٹپتے زور زور سے ہاتھ پیر پیکار ہے تھے؟"

نر ملک کے چہرے کا نگ فق ہو گیا۔ گھر اکٹپو چاہتھارے با بلو جی دہاں نہ تھے؟
جیارام: تھے کیوں نہیں، آج وہ بہت روئے تھے۔

نر ملا کا دلی دھڑکنے لگا پوچھا۔ ڈاکٹر دہاں نہ تھے۔

جیارام: ڈاکٹر بھی کھڑے تھے۔ اور آپس میں کچھ ملاج کر رہے تھے، سب سے ٹھاول سرجن، انگریزی بیس گھرہ دھا کر مرفع کے بد نہیں کچھ تازہ خون ڈالنا پڑھئے۔
اس پر بابو جی نے کہا کہ بیرے جسم سے جتنا خون چاہیے اسے لیجئے۔ سول سرجن نے ہنس کر کہا کہ آپ کے خون سے کام نہیں چلے گا، کسی جوان آدمی کا خون چاہیے، آخر اس سے پیکا ملادے دو ابھیا کے خون میں ڈال دی، جارانگل سے کم کم سول نر ہی ہو گی۔ بھیانے ہے سمجھ نہیں کی، پر میں نے تو مارے ذر کے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

ٹھرے ٹھرے زبردست مخصوص بے جوش کی عالت ہی میں پیدا ہوتے ہیں کہاں نر ملا دُر سے سوکھی جاتی تھی۔ کہاں اس کے چہرے پر مصمم ارادہ کی جعلک اگئی اس نے اپنے جسم کا تازہ خون دینے کا تھیس کر لیا۔ اگر اس کے خون سے سارا مم کی جان بچ جاوے تو دہانے خون کا آخیری نظرہ تک دیئے کے قبے بخوبی تیار تھی۔ اب جس کام جو جی چاہے تھے۔ وہ کسی کی پرپڑ نہ کرے گی۔ اس نے جیارام سے کہا تم پیک کر ایک تانگہ بلا کو میں اسپتال جاؤں گی۔
جیارام: اوہاں تو اس وقت بہت سے آدمی ہو رہا گے، ذرا رات پھر جانے دیجئے۔
نر ملا: نہیں تم ابھی یکہ بلا لو۔

جیارام: کہیں بابو جی خفافہ ہوں۔

نر ملا: خفافہ ہوئے دو۔ تم ابھی جا کر سواری لاو۔

جیارام: میں کہہ دو تھا کہ اماں نے خود ہی مجھ سے سواری منگانی تھی۔

نر ملا: یاں کہہ دینا۔

جیارام تو ادھر تانگہ لائے گیا۔ اس طرف اتنے عرصے میں نر ملانے سریں کنگھی کی ہاں ہاندھے، کپڑے بدے گئے، پہنے، پائی کھایا۔ اور دروازے پر آکر تانگہ کا انتظار کرنے لگی۔ رکمنی اپنے کرے میں پیچھی ہوئی تھی۔ اسے اس طرح تیار ہو کے آتے دیکھ کر بولی، کہاں جاتی ہو؟

نر ملا: ذرا اسپتال تک جاتی ہوں۔

رکمنی: اوہاں حاکر کیا کرو گی؟

نر ملا: کچھ نہیں کہوں گی کیا ہے کرنے والے تو کہگو ان ہیں، دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔

رکنی؟ میں کہتی ہوں تم نہ جاؤ۔"

نرملانے آخری عاجزی سے کہا۔ ابھی چلی آؤں گی، دیدی جی! جیبارام کہہ دہا ہے کہ اس وقت ان کی حالت اچھی نہیں ہے۔ دل نہیں مانتا، آپ بھی چلتے نہ؟"

رکنی؟ میں دیکھو آئی ہوں۔ اتنا ہی سمجھ لو کہ اب باہری خون پہنچنے ہی بہر جنے کی امید ہے۔ کونا پنا تازہ خون دے گا اور کیوں دیکھا؟ اُسی میں بھی تو جان جو ہم ساز ہے۔"

نرملاء؟ اسی لئے تو میں جاتی ہوں میرے خون سے جیسا کام نہ چلے گا؟" رکنی؟ چلے گا کیوں نہیں، جوان ہی کا خون تو جا ہے۔ مگر تمہارے خون سے مناک بیان بچے، اس سے بہر کہیں اچھلے ہے کہ اسے پالنے بھا دیا جاوے۔"

ٹانگہ آگیا۔ نرملاء اور جیبارام دونوں جائیں چھپے۔ ٹانگہ روازہ ہو گیا۔ رکنی دروازے پر کھڑا ہے۔ میرنگ رولی رہی۔ آج یہی بار اس کو نرملاء پر رحم آیا۔ اس کا بس چلتا تو وہ نرملاء کو باندھ رکھتی۔ رحم اور سہر دی کا جوش اسے کھا لیے جاتا ہے، اسے وہ مختلف طریقے پر دیکھ رہی۔ اُس میں بد نصیبی کا باختہ ہے، پہ تباہی کا رانے؟"

نرملاء اپنالہ پہنچی تو چرانے جل چکے تھے۔ داکٹر صاحبان اپنی اپنی رائے دے کر رخصت ہونگئے تھے۔ مسرا ام کا بخار کچھ کم ہو گیا تھا۔ وہ مٹکھی باندھے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ آسمان کی کھلی فضا کی طرف لگی ہوئی تھی گوپا وہ کسی دیوتا کا انتظار کر رہا ہو۔ وہ کھاں ہے اور کس حالت میں ہے، اس کا اسے علم نہ تھا۔

دفعتا نرملاء کو دیکھتے ہی وہ چونک کر اٹھا گئا۔ اس کی محیت ذوب گئی، اس کا مٹا ہوا حست عور کر آیا۔ لے اپنی حالت کا علم ہو گیا۔ گویا کوئی بھول ہوئی بلکہ باد آگئی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر نرملاء کو دیکھا اور منہ پھیریا۔

یکایمنشی جی تیز لمحے ہیں بر لے! تم بیہاں کی کرنے آئیں؟ "نرملاء ساکت رہ گئی، کیا وہ بتلا ہے کہ سیا کرنے آئی ہے اتنے سادہ سوال کا سمجھی وہ کیا کوئی جواب نہ دے سکے گی، وہ کیا کرنے آئی، اس مشکل سوال کس کے سامنے آیا ہو گا؟ کھر کا لڑکا بیمار ہے، اسے دیکھنے آئی۔ یہ کیا بلا دریافت کے معلوم نہ ہو سکتی تھی؟ پھر یہ سوال کیوں؟

وہ بہرتوں سی کھڑی رہی گویا بالکل بہر جو اس ہو گئی ہو۔ اس نے دونوں لڑکوں نے نشی جی کے دکھ درد کی باتیں سن کر یہ غیاس کیا تھا کہ اب ان کا دل صاف ہو گیا ہے۔ اب اسے معلوم ہو کر وہ محض خیال تھا! اگر وہ جاتی کہ انسوؤں کی بارش نے بھی یہ کی آگ نہیں بھانی تو وہاں کبھی زجاٹ۔ وہ کڑھ کڑھ کر مر جاتی۔ مگر گھر سے باہر قدم نہ رکھتی۔

مشی جی نے پھر دہی سوال کیا ہم سیہاں کیوں آئیں؟ ”

نر ملا نے یخونی سے جواب دیا؟ آپ سیہاں کیا کرنے آئے ہیں؟ ”

مشی جی کے تھنے پھر کرنے لگے۔ وہ طیش جیسی اکرپلینگ سے اٹھے اور نر ملا ہماہاتھ پر کمر بولے ”میرہارے سیہاں آئے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب میں بلا دیں نب آنا، سمجھ گئیں؟ ”

ایے، یہ کیا؟ نسارا م جو پلینگ سے ہل بھی ز سکتا تھا، اٹھو کر کھڑا ہو گیا اور نر ملا کے پیروں پر گر کر رہتے ہوئے بولا دیا میں جی، اس ابھاگے کے لیے آپ کو ناحقی اتنی بھلیف ہوئی میں آپ کی محنت کبھی نہ چھو لو گا۔ ایشور سے میری ہمہ سب سیستی ہے کہ میرا دوسرا جنم آپ ہی کے لطف سے ہو سکہ میں آپ کے احسانات کا بدله دے سکوں۔ ایشور جانتا ہے کہ میں نے آپ کو سوتیلی ماں نہیں سمجھا۔ میں آپ کو اپنی ماں سمجھتا رہا۔ آپ کی عمر مجھ سے بہت زیادہ نہ ہو، مگر آپ میری ماں کی علگہ پر نہیں اور میں نے آپ کو یہیں اسی نظر سے دیکھا۔ ... آپ نہیں اولاد تانا میں معاف نہیں، یہ آخری ملاقات ہے! ”

نر ملا نے آنسوئی کو روکتے ہوئے کہ ”تم ایسی باقیں کیوں کرتے ہو؟ دوچار دن میں اچھے ہو جاؤ گے؟ ”

نسارا م نے کمزور آواز میں کہا۔ اب جیسے کی خواہش نہیں اور نہ بولنے کی طاقت ہی ہے۔ یہ کہتے نسارا م کمزوری کے سبب وہیں زمین پر لیٹ گیا۔ نر ملا نے یخونی سے دیکھتے ہوئے کہا ”ڈاکٹروں نے کیا صلاح دی؟ ”

مشی جی ”سب کے سب بھنگ کھا گئے ہیں، کہتے ہیں کہ نازہ خون چاہئے؟ ”

نر ملا ”نازہ خون مل جاوے تو جان پک سکتی ہے؟ ”

مشی جی نے نر ملا کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھو کر کہا ”میں ایشور نہیں ہوں اور نہ ڈاکٹروں کو ایشور سمجھتا ہوں، ”

نر ملا ”نازہ خون نہ ایسی نایاب چیز نہیں، ”

مشی جی ”آسمان کے نام سے بھی تو نایاب ہیں۔ منہ کے سامنے خندق کیا چیز ہے۔ ”

نر ملا ”میں اپنا خون دیتے کو تیار ہوں۔ ڈاکٹر کو بلا بیجے۔ ”

مشی جی نے حیرت سے کہا ”تم؟ ”

نر ملا ”اہ، کیا میرے خون سے کام نہ چلے گا؟ ”

مشی جی ”تم اپنا خون دوگی؟ نہیں، میرہارے خون کی ضرورت نہیں۔ اس جاک کا خطرہ ہے۔ ”